قرآن

ترجمہ یا ترجمانی و نتیجہ گیری

قرآن وہ عظیم الشان ومقدس کتاب الٰہی ہے جس کی ترتیب وتدوین وجمع آوری کا کام تو پہلی صدی ہجری میں پورا ہو گیا تھا لیکن قرآن اور قرآنی موضوعات پر بحث ومباحثہ اور گفتگو کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور دنیا کے نامور علماء ودانشمند قرآنی علوم ومعارف کے سلسلے میں اپنے خیالات تحریری اور تقریری صورت میں پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔

قرآنی علوم ومعارف کے سلسلے میں گفتگو کرتے وقت دنیا کی مختلف زبانوں میں اس صحیفۂ ہدایت کے ترجمے کا ذکر بھی آتا ہے اور انتہائی وثوق وجرأت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عربی زبان سے دنیا کی دیگر زبانوں میں قرآن کے تراجم کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ذیل میں جناب حجۃ الاسلام محمد نقدی ڈائریکٹر مرکز ترجمۂ قرآن مجید جناب بہاء الدین خرّم شاہی محقق ومترجم قرآن اور جناب مجید صالحی محقق قرآن سے فصلنامہ راہ اسلام کے خصوصی نمائندے کی گفتگو حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راہ اسلام: کیا کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کے ترجمے کا طریقۂ کار دیگر متون کے ترجموں سے مختلف ہوتا ہے یا ترجمے کی وہی روش کارفرما ہوتی ہے۔

حجۃ الاسلام نقدی: مجموعی اعتبار سے تو قرآن مجید عوام الناس کی ہدایت کے لئے نازل ہونے والی وہ آسمانی کتاب ہے جو عام فہم زبان میں پیش کی گئی ہے تاکہ دنیا کے تمام لوگ اس کے مفہوم سے باخبر ہو کر لازمی ہدایت ورہنمائی حاصل کر سکیں لہٰذا اس کے ترجمے میں بھی وہی روش کار فرما ہوتی ہے جو دیگر متون کے تراجم میں بروئے کار لائی جاتی ہے۔ ہم لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ترجمہ تالیف وترتیب کا نام نہیں ہے بلکہ کسی معنی و مفہوم کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ترجمہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک سلیم النفس عرب قرآنی آیات کا مطالعہ کرنے سے جو معنی و مفہوم اخذ کرتا ہے اسی مفہوم کو فارسی، انگریزی، روسی، ترکی یا دنیا کی دیگر زبانوں کے قالب میں پیش کرنے کا نام ترجمہ ہے پس دنیا کے دیگر متون کے ترجموں کے لئے جو طریقہ رائج ہے وہی طریقہ قرآن مجید کے ترجمے کے لئے مستعمل ہے لیکن یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض متون کے تراجم کے لئے مناسب تخصص ومہارت سے کام لیا جاتا ہے اور قرآن مجید بھی مختلف النوع خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان وادبیات میں ایسی بے شمار خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کا سمجھنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے لہٰذا قرآن مجید کے ترجمے کے لئے فقط عربی اور مطلوبہ زبان پر مکمل دسترس ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس زبان کے محاسن ومعائب سے مکمل آگاہی بھی لازمی ہے۔

مجید صالحی: ہر ترجمہ میں کسی عبارت کو منتقل کرتے وقت بعض تسلیم شدہ اصول وضوابط کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ان ہی اصولوں میں سے ایک توازن وتعدل ترجمہ ہے۔ جب ہم توازن وتعدل کی بات کرتے ہیں تو فوری طور پر ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ تعدل کا مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ کے بدلے مطلوبہ زبان میں اس کا معادل لکھ دیا جائے۔ اگر چہ یہ

توازن ترجمے کے مختلف مراحل میں سے ایک مرحلہ ہوا کرتا ہے۔ اور جملے کی ساخت وبافت الفاظ کی ترتیب و تنظیم، متن میں موجود معروف و مجہول عناصر جیسے دیگر اور مراحل ہوتے ہیں جن کا ذکر اصول ترجمہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس جگہ تعدل و ترجمہ سے مراد فقط دونوں زبانوں کے الفاظ کے درمیان توازن ہی نہیں بلکہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مفہوم کو منتقل کرتے وقت جملے کی ساخت وبافت اور مفہوم و مطلب میں توازن قائم رکھنا مقصود ہے۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اس کتاب الٰہی کو دیگر متون سے مختلف اور متمائز بنا دیتی ہے۔

اس کی سب سے پہلی اور اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ منشائے الٰہی کا حامل کلام ہے۔ اس کلام کے منشائے الٰہی کے حامل ہونے کی وجہ سے ہی مترجم کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنا قلم چلائے اور غیر معمولی دقت و ظرافت کے ساتھ ترجمہ کا کام انجام دے۔ بعض تازہ ترین ترجموں میں اس بات کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

دوسری اہم بات جو قرآن مجید کے ترجمے کو دیگر متون کے تراجم سے الگ بنا دیتی ہے وہ کلام الٰہی کا مخصوص سبک و طریقہ ہے جو بہر حال خصوصی نشیب و فراز کا حامل ہے۔ دنیا کی اکثر کتابوں میں شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی رائج یا غیر رائج سبک و طرز دکھائی دیتا ہے لیکن قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مختلف النوع طرز و سبک سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مترجم قرآنی آیات کے مفہوم کو منتقل کرتے وقت طرح طرح کی دشواریوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور پریشانی کا یہ سلسلہ اسی جگہ پر منقطع نہیں

ہو تا بلکہ اصل دشواری اس وقت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ متضاد خیالات اور نشیب وفراز پر مبنی الفاظ کو انتہائی مناسب و موزوں انداز میں ایک دوسرے سے بہت قریب نہایت دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے لیکن ترجمہ کرتے وقت ان متضاد خیالات اور نشیب وفراز کو اس کی اصلی جاذبیت و دلکشی کے ساتھ ہر گز پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان متضاد الفاظ کو ساتھ ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ بعض ملکوں میں مترجمین نے تراجم کو (Interpretation) یعنی ترجمانی کے نام سے تعبیر کیا ہے جس سے مراد تفسیری ترجمہ ہے اور جو حقیقت میں قاری کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے وہ ایسا آئینہ نہیں ہے جس سے حقیقی واصلی متن کی جھلک سامنے آتی ہو بلکہ مترجم نے اصلی متن سے جو نتیجہ گیری کی ہے وہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

مجھے امید ہے کہ ترجمۂ قرآن کے لئے کسی دوسرے لفظ کا انتخاب کر لیا جائے گا جو ترجمہ کو کلام الٰہی کی طرح قطعی و حتمی ہونے کی دلالت نہ کرتا ہو۔ بلکہ ثابت کرتا ہو کہ عربی زبان میں نازل حتمی اور قطعی کلام الٰہی کو مترجم نے اپنی فہم ودانست میں اس طرح پیش کیا ہے جو متن میں موجود حقیقی معنی و مفہوم سے بہت قریب ہے۔ ترجمہ کا مطلب کسی متن میں موجود معنی و مفہوم کو زبان مبداء (Source language) سے زبان مقصد (Object language) میں منتقل کرنا ہوتا ہے لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہوا کرتی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ ہونے پائے یعنی مترجم کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ متن میں معمولی سی بھی تبدیلی کر دے اور قرآن مجید کے ترجمہ کے دوران اس چیز کا امکان بھی نہیں ہے۔

حجۃ الاسلام نقدی: میرا خیال ہے کہ ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت لوگ

اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ ترجمۂ قرآن عین قرآن نہیں ہے اور دنیا کے کسی بھی مترجم نے آج تک ایسا دعویٰ بھی نہیں کیا ہے۔

جناب صالحی : لیکن عام طور پر لوگ یہ نتیجہ اخذ نہیں کرتے بلکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اصلی متن میں جو بات کہی گئی ہے ترجمہ میں اسی بات کو پیش کیا گیا ہے البتہ محققین اور دانشور طبقے کے لوگوں کا طرز فکر اس سلسلے میں بالکل مختلف ہوتا ہے۔

جناب خرم شاهی : یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی مقدس متن کا ترجمہ بھی مقدس نہیں ہوتا ہے بلکہ ترجمہ شدہ عبارت میں وہ قداست باقی نہیں رہ جاتی جو متن میں ہوا کرتی ہے کیونکہ مترجم میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ متن کی طرح ترجمہ کی عبارت میں بھی جملہ بندی اور الفاظ کی ترتیب و تنظیم کو اس کی حقیقی شکل وصورت اور رنگ وروپ میں اس طرح قائم رکھ سکے کہ مفہوم میں بھی ذرہ برابر کمی یا زیادتی پیدا نہ ہونے پائے۔ پس متن کی قداست ترجمہ سے خود بخود الگ ہو جاتی ہے اگرچہ مترجم کی حتی الامکان کوشش یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے ترجمہ کو متن کے زیادہ سے زیادہ نزدیک رکھے لیکن اس ترجمہ میں متن جیسی قداست باقی رہ جائے یہ ناممکن بات ہے۔ اگرچہ سعدی شیرازی کو استاد سخن کا مرتبہ حاصل تھا اور وہ بھی قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کیا کرتے تھے لیکن ان کے ترجمہ میں بھی متن کی قداست ہرگز نہیں پائی جاتی ہے۔

مترجم کی حتی الامکان کوشش اور بنیادی ذمہ داری ہوا کرتی ہے کہ وہ ترجمہ کرتے وقت امانت سے کام لے لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے وقت اصل اور حقیقی الٰہی مفہوم کو ترجمہ کی عبارت میں پیش کرنا انسانی استعداد وصلاحیت کے بس کی بات نہیں ہے۔

جہاں تک ترجمہ کے بجائے کسی دوسرے لفظ کے استعمال کی بات ہے تو فی الحال میری نگاہوں کے سامنے ایسا کوئی لفظ نہیں ہے لیکن اس سلسلے میں ہم لوگوں کو اپنی تلاش جاری رکھنی چاہئے۔ جناب صالحی نے ترجمہ کے بجائے نتیجہ گیری جیسے لفظ کی تجویز پیش کی جو میرے خیال میں زیادہ مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ کافی اور لازمی اعتبار واعتماد کا حامل نہیں ہے اور محاورہ کی زبان میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے یہ نتیجہ گیری کی ہے اور اس طرح قرآنی آیات سے اخذ نتیجہ کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ فلاں کی نتیجہ گیری یہ ہے کہ بہر حال میں آپ کی اجازت سے آپ کے ذہن کو اصل موضوع اور اس گفتگو کے دوران ابھرنے والے بنیادی سوال کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ترجمۂ قرآن اور دیگر متون کے ترجمہ کے درمیان کیا فرق ہے۔ ہم لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ قرآن مجید کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ مکہ میں نازل ہونے والی آیات اور دوسرا مدینہ میں نازل ہونے والی آیات پر مشتمل ہے۔ مکہ میں نازل ہونے والی آیات کو مدنی آیات پر سبقت حاصل ہوتی ہے نیز مکی آیات میں جوش وخروش اور زور کلام زیادہ اور دیگر احکام وقصص کی کمی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مکی آیات میں سجع کی فراوانی دکھائی دیتی ہے اور قرآنی سجع کو فاصلہ کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ قرآنی فاصلوں سے زیادہ خوبصورت، باعظمت اور بااثر تر کوئی دوسری کتاب یا عبارت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ سجع سے مالامال قرآن مجید کی آیات کا اسی عظمت واثر کے ساتھ دوسری زبان میں ترجمہ کیسے کیا جائے۔ اگر اس سجع عبارت کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو وہ بالکل مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے۔ میں نے جب کبھی قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت مسجع عبارت لکھنی چاہی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے کوئی بچکانہ حرکت کی ہے جبکہ قرآن

مجید میں وہی مسجع عبارت غیر معمولی عظمت کی نشاندہی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

راہ اسلام: قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت غیر معمولی حساسیت اور دقت نظر لازمی ہے۔اس حقیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے وہ کون لوگ ہیں جو اس مقدس کتاب کے ترجمہ کی استعداد وصلاحیت رکھتے ہیں؟

جناب خرم شاھی : قرآن مجید کے مترجم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ عربی زبان سے بخوبی واقف ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ قرآن سے غیر معمولی لگاؤ رکھتا ہو۔ فقط عربی زبان سے آشنا ہونا کافی نہیں ہے۔اکثر عربی زبان والے لوگ قرآنی مفہوم کو بخوبی نہیں سمجھ پاتے اگرچہ ان کی مادری زبان عربی ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے زیادہ تر فارسی ماہرین حافظ کی غزل کو سمجھنے سے قاصر وعاجز دکھائی دیتے ہیں۔

قرآن مجید سے انس یا غیر معمولی لگاؤ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک دن، ایک ماہ یا ایک سال میں حاصل ہو جائے بلکہ اس کام کے لئے کم از کم ۲۰ سال کی مدت درکار ہوتی ہے میں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ اکثر کم عمر افراد بھی قرآن مجید کا ترجمہ کرنے لگتے ہیں جبکہ حقیقی معنوں میں یہ کام اتنی آسانی سے ہرگز ممکن نہیں ہے اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ مترجم کی حیثیت سے اپنے کام کی شروعات ہی قرآن مجید کے ترجمہ سے کرتے ہیں جبکہ وہ بات بھی قطعی مناسب نہیں ہے کیونکہ لازمی تجربہ و مہارت اور انس ولگاؤ کے بغیر معیاری ترجمہ پیش کرنا کیسے ممکن ہے۔

قرآن سے انس اور غیر معمولی لگاؤ کے لئے جدید وقدیم عربی کا بھرپور مطالعہ کرنا اور دونوں پر مکمل دسترس حاصل کرنا لازمی ہے۔اس کے علاوہ دور جاہلیت کے شعر وادب اور ماضی کے مختلف مکاتب فکر کے بارے میں میں بھی معلومات رکھنا ضروری ہے۔ صرف

اتنا ہی نہیں بلکہ ہجری کے ابتدائی دس برسوں کے درمیان رونما ہونے والے حوادث کا علم بھی لازمی ہے کیونکہ قرآنی آیات کا نزول اسی دہائی میں ہوا ہے اور دوسری دہائی پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہوگا کیونکہ قرآن کی تدوین اسی زمانہ میں عمل میں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ تفسیر قرآن سے واقف ہونا بھی لازمی ہے۔ مختصر لفظوں میں قرآن سے انس اور گہرے لگاؤ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ اور بار بار پڑھا جائے اور قرآنی آیات سے مطالعے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی تفسیروں کا بھی مطالعہ کیا جائے مثلاً خود پیغمبر اکرمؐ کی بیان کی ہوئی تفسیر جو سیوطی کے عرفانی قلب میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر امیر المومنین تفسیر ابن عباس، تفسیر طبری، تفسیر طباطبائی اور دیگر عصری مفسرین کی تفسیروں کے مطالعے کے ساتھ ہی ساتھ حدیث نبوی پر بھی گہری نظر رکھتا ہو، واضح رہے کہ اس شعبہ میں اہلسنت اور اہل تشیع کے بیشمار مجموعے موجود ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مترجم کو قرآن مجید کی لغت شناسی سے بھی واقف ہونا چاہئے اور قرآنی فقہ پر بھی مکمل تسلط کا حامل ہونا چاہئے۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ مترجم کو علم اصول اور ترجمہ کی زبان جس کو اصطلاحاً زبان مقصود کہا جاتا ہے، عبور کامل رکھنا چاہئے۔ اکثر ایرانی حضرات یہ سوچتے ہیں کہ انہیں فارسی زبان پر مکمل قدرت حاصل ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اگر کوئی ایرانی فارسی زبان میں قرآن یا کسی دوسری کتاب کا ترجمہ کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ مولانا روم، حکیم سنائی اور دیگر صاحب نظر ادیبوں کی شعری اور نثری تخلیقات سے بخوبی آشنا ہو۔ اگر کوئی مترجم زبان مبداء (Source Language) سے بخوبی واقف ہو اور زبان مقصد (Object Language) میں لازمی مہارت نہ رکھتا ہو تو اس کے ترجمہ کی عبارت میں عربی الفاظ و محاورہ کی بھرمار اور

ترکیب وترتیب جملہ عربی زدہ ہوگا اور اگر بات اس کے برعکس ہوئی تو فارسی گرائی کی جھلک دکھائی دے گی، جملے طولانی ہوں گے اور مزید وضاحت کی خاطر واوین میں پیش کیے گئے جملوں کی بھرمار بھی ہوگی اور یہ بات غیر معیاری ترجمہ کی علامت ہوگی کیونکہ جملوں کا طولانی ہونا عبارت کی خوبی نہیں بلکہ اس کی خرابی ہوا کرتی اور جملوں کا چھوٹا ہونا حسن عبارت کو دوبالا کر دیتا ہے اسی طرح مترجم کو سادہ نویسی سے کام لینا چاہئے کیونکہ سادگیٔ بیان موضوع کو عام فہم بنا دیتا ہے البتہ یہ خصوصیت برسوں کے تجربہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سادہ نویسی سے مراد وہ سادگی و مہارت ہے جو سعدی شیرازی کے بیان میں پائی جاتی ہے۔ سادگی بیان کے علاوہ قرآن مجید کے مترجم کے لئے دیگر شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ میں اس شرط کو ایک انحصاری اور انتہائی لازمی شرط کی حیثیت سے نہیں پیش کرنا چاہتا ہوں البتہ خود قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ "لایمسه الاالمطهرون۔" یعنی جو مسلمان نہیں ہے وہ قرآن مجید سے قربت ونزدیکی نہیں اختیار کر سکتا ہے اور نہ اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال اگر مترجم مسلمان نہ ہو تو بھی اسے ان تمام صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہئے۔ مثلاً غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اسے قرآنی آیات کو وحی اور کلام الٰہی سمجھنا چاہئے اور اگر مترجم مسلمان ہے تو اسے احکام خداوندی کا پیرو ہونا چاہئے تاکہ وہ قرآنی روح سے مدد حاصل کر سکے۔ قرآن مجید میں ایسی جاذبیت و دلکشی پائی جاتی ہے کہ قرآنی احکام وعقائد پر ایمان نہ رکھنے والا شخص بھی اس کا گرویدہ وشیفتہ ہو جاتا ہے بہر حال قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے دینی احکام کی پیروی لازمی ہے۔

جناب نقدی: میں خرمشاہی صاحب کی بات کی تکمیل کے لئے چھ چیزیں عرض

کرنا چاہوں گا۔ جیسا کہ موصوف نے اشارہ کیا ہے کہ مترجم کو زبان وسیلہ پر عبور کامل ہونا چاہئے، پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ جو لوگ حوزہ علمیہ قم جاتے ہیں وہاں برسوں عربی زبان کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن جب وہ کسی عرب ملک میں جاتے ہیں تو عربی زبان سے ان لوگوں کی ناواقفیت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ لوگ عربی زبان میں اپنی روزمرہ کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر و عاجز رہا کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکالمہ کی زبان اور اصل عربی زبان و ادب میں بنیادی فرق ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں سبھی لوگ عربی بولتے ہوں مختصر سی مدت میں مکالمہ میں کام آنے والی عربی زبان سیکھی جاسکتی ہے لیکن سردست ہم جس عربی زبان پر مکمل عبور وقدرت کی بات کرتے ہیں اس سے مراد وہ عربی ہے جس کو غزالی بھی سمجھتے ہیں اور یہ قدرت و تسلط برسوں کے تجربہ کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے۔ قرآن کا عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرتے وقت مترجم کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ فارسی ادبیات سے بھی بخوبی واقف ہو۔ آج ہمارے ملک ایران میں ترجمہ کے سلسلے میں جو بنیادی پریشانی ہے وہ فارسی زبان سے بخوبی واقفیت کی کمی ہے یعنی مترجم زبان وسیلہ یعنی عربی سے بخوبی واقف ہے لیکن زبان مقصد یعنی فارسی میں اس کو لازمی مہارت حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دین کی مکمل واقفیت بھی نہایت اہم اور لازمی شرط ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جو مترجم مذہب کے بارے میں کافی معلومات نہیں رکھتا ہے وہ قرآن مجید کے ترجمہ میں غیر معمولی غلطیاں کر سکتا ہے لہذا مترجم کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں جو بات کہی گئی ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ قرآن کی روح کسی غیر مسلم کے قلب میں متجلی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ بعض مسلمان حضرات بھی اس فیض سے بے بہرہ و محروم ہیں۔

ترجمہ کرتے وقت زبان وسیلہ اور زبان مقصد دونوں پر مکمل عبور و تسلط کی بات کہی جاسکتی ہے میں اس جگہ اس کا ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حال ہی میں کسی صاحب نے ایک عربی کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ عربی متن میں یہ کہا گیا ہے کہ "قال قاضی فی مواقفہ۔" اس جملے میں لفظ قاضی اسم خاص کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے جبکہ مترجم نے ترجمہ کیا ہے کہ داور "در ایستگاھایش گفتہ است" یعنی جج نے اپنے اسٹیشنوں میں سے ایک کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے دوسرے نمونے کے طور پر ملاحظہ ہو کہ مترجم نے اس عربی جملے "قال فیروز آبادی فی تاج العروس۔" کا فارسی ترجمہ طرح لکھا ہے کہ فیروز آبادی نے دلربا افسر سے کہا۔ اس مترجم نے تاج العروس کو افسر دلربا بنادیا ایسا لگتا ہے کہ وہ فیروز آبادی کو نہیں سمجھ سکا ورنہ اس کا بھی ترجمہ کر دیا ہوتا۔ یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ جب یہ مترجم در حقیقت زبان سمجھنے سے عاجز ہے تو اس سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ یہ دیگر مسائل سے بھی واقف ہوگا۔

صالحی صاحب : بہر حال زبان وسیلہ اور زبان مقصد دونوں میں مکمل مہارت کا ہونا لازمی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ زبان مقصد یعنی جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس پر مکمل دسترس رکھنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص زبان وسیلہ ہے ۲۵ فیصد واقفیت رکھتا ہے تو بھی وہ ترجمہ کر سکتا ہے۔ میرے احباب زبان مبداء یعنی زبان وسیلہ سے واقفیت پر بہت زور دیتے ہیں جبکہ کبھی کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ عبارت پڑھنے کے بعد مترجم مفہوم کو تو بخوبی سمجھ لیتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پاتا کہ زبان مقصد میں اس مفہوم کو کس طرح پیش کرے۔ بہر حال یہ وہ نزاکتیں اور باریکیاں ہیں جو ایک مدت تک کسی کام میں مسلسل لگے رہنے کے بعد حاصل ہوا کرتی ہیں۔

ان تمام باتوں کے علاوہ مترجم کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ زبان مقصد میں ہونے والے سابقہ ترجموں کا بھی مطالعہ کرے تاکہ اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس سے پہلے دوسرے لوگوں نے یہ کام کیسے انجام دیا ہے۔

البتہ قرآن مجید کے ترجمہ کے لئے مترجم کے مسلمان ہونے کی جو بات کہی گئی ہے وہ یقیناً بنیادی اہمیت کی حامل ہے ظاہر سی بات ہے کہ اگر مترجم مسلمان نہیں ہے تو اس کا قلب وحی الٰہی کی گیرائی و گہرائی سے ہرگز آشنا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن فقط الفاظ اور جملوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے اور عربی عبارت تو کوئی بھی عرب لکھ سکتا ہے لیکن اس عربی عبارت میں قرآن جیسی گہرائی و گیرائی ملنا مشکل ہے بلکہ نقدی صاحب نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ قرآنی عبارت میں ایک روح پوشیدہ ہوا کرتی ہے جس کو قرآنی روح کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا دائرہ الفاظ اور جملوں کی ساخت سے بہت آگے ہے۔

خرم شاهی صاحب : قرآنی روح کو سمجھنا اور سمجھانا کسی ایسے آدمی کے بس کی بات نہیں ہے جس میں توحیدی طہارت وپاکیزگی نہ پائی جاتی ہو۔ "لایمسّه الّا لامطهّرون" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن دقیق باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ فقط ایسے ہی لوگوں کی سمجھ میں آنے والی ہے جو توحیدی طہارت سے مالا مال ہیں یعنی اسلام قبول کر چکے ہیں اور اسلامی عقائد پر راسخ اور پوری طرح ثابت قدم ہیں۔

صالحی صاحب : لمس اور مس میں فرق یہ ہوتا ہے۔ ایک ایسا آدمی جو طہارت کا حامل نہیں ہے وہ قرآن کو ظاہری اعتبار سے لمس تو کر سکتا ہے پس کلمۂ "لایمسہ" کا مطلب لمس نہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ افراد ہیں جو قرآن کے باطن کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں اور یہ بنیادی شرط ہے۔ پس مسٹر آربیری کے ترجمۂ قرآن کو عربی زبان کی

عظیم خدمت اور غیر معمولی تحقیقی کارنامہ کہا جاسکتا ہے لیکن یہ بات اس کے ترجمہ سے بخوبی واضح ہے کہ وہ اس مقدس کتاب کی روح اور اس کے ضمیر و باطن کو قطعی نہیں سمجھ سکا ہے اگرچہ اس کے ہم مذہب لوگوں کے درمیان اس ترجمہ کو شاہکار کہا جاتا ہے۔

پس غیر مسلموں کو قرآن مجید کے ترجمہ کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اگر کسی مسلمان نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ کیا تو اس کو بھی اس بات کی اجازت نہ دینی چاہئے کہ وہ اُسے شائع کر سکے۔ مترجم کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے قرآنی تفسیروں کی روح اور اس کے باطن کو اچھی طرح سمجھے اور پھر اس کے بعد اس مفہوم کو دوسری زبان کے قالب میں پیش کر دے۔ جب تک قرآن مترجم کے قلب میں اپنی جگہ نہیں بنالیتا ہے وہ قرآن کا معیاری ترجمہ کر ہی نہیں سکتا ہے۔

ایک دوسری شرط دوسرے مترجمین سے مشورہ طلب کرنا ہے ایسے صاحب نظر افراد کی رائے پر توجہ دینا لازمی ہوا کرتا ہے جو مختلف علوم میں مہارت رکھتا ہوں۔ مثلاً ایک ماہر علم اصول، ایک فقیہ، ایک عربی دان، ایک ماہر زبان فارسی اور دیگر علوم میں مہارت رکھنے والوں کی بات کو مکمل توجہ کے ساتھ سننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مجھے یاد ہے کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی سات آیات کے ترجمہ کے سلسلے میں ایک بات میرے ذہن میں آئی تو میں نے ان سے عرض کیا۔ موصوف نے اپنی بزرگانہ شفقت و محبت کی وجہ سے میری بات تسلیم کرلی اور اس قبولیت کی وجہ یہ تھی کہ ان کا یہ خیال تھا کہ میں نے لسانیات کی تعلیم بھی حاصل کی ہے اور موصوف نے اس میدان کی طرف خصوصی توجہ کبھی نہیں فرمائی۔

ایک مرکزی ادارہ کے ذریعہ ترجمہ کے کام کی نظارت و سرپرستی ایک ایسا اہم

موضوع ہے جس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ دوسری انتہائی افسوسناک اور دردانگیز بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ہر مرکز اور ہر ادارہ کا کوئی نہ کوئی متولی یا سرپرست ضرور ہے لیکن ترجمۂ قرآن کی نظارت و سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں ہے جبکہ قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں ایسا اہتمام ہے کہ اگر کسی جگہ اعراب لگانے میں غلطی ہو جائے یا کسی صفحہ پر الف مقصورہ چھوٹ جائے تو اس صفحہ کی اشاعت کی اجازت نہیں دی جاتی ہے لیکن ترجمہ کے سلسلے میں اب تک ایسا اہتمام نہیں ہو سکا ہے۔

راہ اسلام : ظاہر ہے کہ اس جگہ آپ لوگوں نے ترجمہ کے سلسلے میں جن شرائط وصفات کا ذکر فرمایا اس کی روشنی میں یہ کام تو کافی مشکل معلوم ہوتا ہے اور گفتگو کے دوران بعض ترجموں کی جو تنقید کی گئی ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے تو بہت سی چیزوں کا راستہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ درحقیقت بچوں کے لئے ایسی کسی چیز کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا ہے جو ان لوگوں کے فہم و درک اور سواد و صلاحیت کے مطابق نہ ہو۔ اس کے علاوہ کیا اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ بعض قرآنی الفاظ کا ترجمہ اس انداز میں کیا جائے کہ عام اور معمولی طبقے کے عوام بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ دوستوں نے جو مشکل خصوصیات بیان کی ہیں کیا ان سے اس حقیقت کی نشاندہی نہیں ہوتی ہے کہ فقط علم و فضل و کمال رکھنے والے لوگ ہی ترجمۂ قرآن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اور اس طرح معاشرہ کے عام افراد سمجھنے کے حق سے محروم رہ جاتے ہیں؟ اور جیسا کہ اس جگہ بحث کی گئی ہے کہ ترجمہ کو مختلف علوم کا ناظر ہونا چاہئے تو کیا ایسی صورت میں ترجمہ کو عوام الناس کے درمیان لے جایا جا سکتا ہے۔

صالحی صاحب: اتفاق کی بات ہے کہ میں اس موضوع پر اس سے قبل بھی

اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں کہ مختلف افراد کے لئے مختلف قسم کے ترجموں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس بات کی کوئی دلیل و منطق نہیں نظر آتی کہ ایک مدرسہ کا طالب علم، ایک اعلیٰ درسگاہ کا دانشجو، ایک یونیورسٹی کا پروفیسر اور ایک حوزہ علمیہ سے وابستہ فقیہ وعالم دین سبھی لوگ قرآن مجید کے ایک ہی ترجمہ سے استفادہ کریں میری نظر میں یہ بات لازمی اور مناسب نہیں ہے بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ ماہر مترجمین کی ایک جماعت تشکیل دی جائے جو مختلف جماعتوں کی علمی سطح وصلاحیت کے بموجب قرآن مجید کے مختلف ترجمے آمادہ کریں اور جو ترجمہ کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے کیا جائے اس میں نسبتاً سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا جائے۔

نقدی صاحب: لیکن ایسی تالیف کو ترجمہ کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو دوبارہ نویسی، بازنویسی یا دوسرے کسی نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

راہ اسلام: دانشمندان گرامی قدر! گفتگو کے دوران آپ لوگوں نے متفقہ طور پر یہ طے کر دیا کہ مترجم قرآن کا مسلمان ہونا لازمی ہے۔ مان لیجئے کہ کوئی شخص جرمنی کے غیر مسلم معاشرہ کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے پس ایسی صورت میں مترجم کا مسلمان ہونا کیوں ضروری ہے؟

صالحی صاحب: میں نے مسلمان ہونا لازمی نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ مسلمان کو ترجیح دی جانی چاہیے۔

خرم شاہی صاحب: میری مراد بھی مسلمان کے لئے کئے جانے والے اس ترجمہ سے ہے جو خود ہمارے ملک ایران میں فارسی زبان میں کئے جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو چیز چھپ جاتی ہے وہ سند بن جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی

زبان ہو اور مترجم کسی مذہب کا پیرو ہو واقعاً اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جانا چاہیے ؟ واضح رہے کہ وہ جو چوٹ یا نقصان پہونچاتا ہے وہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

نقدی صاحب : اگر ہم ایران میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہیں تو میری نظر میں کسی غیر مسلم کو ترجمہ شائع کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے لیکن اگر کوئی شخص دنیائے اسلام کے باہر ایسا کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کے سامنے اس قسم کی کوئی شرط کیسے رکھ سکتے ہیں اور وہ ہماری شرطوں کو کیوں تسلیم کرے گا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اس طرح کا کام اسوقت بھی انجام دیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر اس وقت ایٹالیائی زبان میں موجود قرآن مجید کے ۱۳ ترجموں میں ۱۱ ترجمے غیر مسلموں نے انجام دئے ہیں۔

صالحی صاحب : ہم مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ذریعہ کئے گئے ترجموں پر اعتراض کرنا چاہئے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے لئے باقاعدہ ایک دروازہ کھول دیا ہے۔

خرم شاہی صاحب: یہ دروازہ تو پہلے ہی سے کھلا ہوا ہے لیکن اس سے ہم لوگوں کو فائدہ کے علاوہ کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔

نقدی صاحب : ہم لوگ اس دروازہ کو بند نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ بھی ان کے کام پر تنقید کر سکتے ہیں۔ درحقیقت یہ ہماری کوتاہی وکمزوری ہے۔ غور طلب بات ہے کہ عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل کے ۲۵۰۰ ترجمے موجود ہیں جبکہ تازہ ترین اعداد وشمار کے بموجب اس وقت ہم لوگوں کے پاس قرآن مجید کے جو ترجمے دستیاب ہیں ان کی تعداد ۱۰۰ بھی نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ بیرونی

ممالک والے قرآن مجید کا ترجمے کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت یورپ میں وسیع پیمانے پر یہ کام انجام دیا جا رہا ہے اور انتہائی بڑی تعداد میں ان ترجموں کی اشاعت کی جا رہی ہے۔ اگر ہم ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے پیر پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

صالحی صاحب: دنیا کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور واضح لفظوں میں یہ اعلان کردیں کہ ہم غیر مسلموں کو قرآن مجید کے ترجمہ کی اجازت نہیں دیتے۔

خرم شاہی صاحب: ہم مسلمانوں کو سب سے پہلے قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ایک ایسا ترجمہ پیش کرنا چاہئے جو آربیری کے ترجمہ کو ایک گوشے میں ڈال دے۔ یہ مقابلے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ ایسی صورت میں غیر مسلم افراد زیادہ معتبر اور معیاری ترجمہ پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہ جائیں گے۔

راہ اسلام: گذشتہ چند برسوں کے دوران قرآن مجید کے بہت سے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترجموں کے سلسلے میں ہم لوگ منزل کفایت تک پہونچ چکے ہیں یا اس روش کو اسی طرح جاری رہنا چاہئے؟ دوسرا اہم سوال یہ ہے کیا وقت کی رفتار کے ساتھ ہی نئے ترجموں کی اشاعت بھی لازمی ہے؟

خرم شاہی صاحب: جب ہمارا سماج نئے ترجموں کا استقبال کر رہا ہے تو اس کی اشاعت کے لئے ناشر بھی موجود ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موجود اور گذشتہ دور میں شائع ہونے والے ترجمے کافی نہیں ہیں۔ ہمیں قرآن مجید کے ترجموں کی تعداد کو دیکھ کر فخر و مباہات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فارسی زبان میں قرآن مجید کے ۱۰۰۰

ترجموں میں سے ۹۵۰ ترجمے ایک جیسے ہیں اور باقی ۵۰ ترجمے ہمارے موجودہ مقاصد سے میل نہیں کھاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں قرآن مجید کے ترجموں کی تعداد فارسی سے زیادہ ہے۔ فقط اردو زبان میں قرآن مجید کے ۱۵۰ ترجمے موجود ہیں جبکہ ایران میں جس کو اسلامی تہذیب کا گہوارہ کہا جاتا ہے، فارسی ترجموں کی تعداد ۵۰ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تعداد کافی نہیں ہے لہٰذا ہمیں تازہ ترجموں کا استقبال کرنا چاہئے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جو ترجمہ معاشرہ میں مقبول نہیں ہوتا اس کی اہمیت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

صالحی صاحب: میں خرم شاہی صاحب کے خیال سے قطعی متفق نہیں ہوں۔ اشاعت کے بعد ہر کتاب کے خریدار و طرفدار پیدا ہو جاتے ہیں اور ہمارا اصل اور بنیادی مسئلہ یہی ہے۔ کون سا ترجمہ قرآن مجید کتاب بیچنے والی دوکان میں پڑا رہ گیا ہے؟ قرآن مجید سے لوگوں کو غیر معمولی عشق و لگاؤ ہوتا ہے اسی وجہ سے جس کتاب پر قرآن مجید کا نام ہوتا ہے اس کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ ان عقیدت مند خریداروں کی نظر میں مترجم کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ اس کی فکر تو ہم لوگوں کو ہونی چاہئے۔ "معانی قرآن کریم" نامی کتاب خداوند عالم کی جسمیت کی قائل ہے اور اس میں خداوند عالم کی پنڈلی کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ خداوند عالم اپنے بال و پر سے آسمانوں میں پرواز کرتا ہے اور اس کے پاس بھی مشاورتی مجلس موجود ہے۔ مختصر یہ کہ اس کتاب میں اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتوں کی بھرمار ہے پھر بھی یہ فروخت ہو گئی۔

خرم شاہی صاحب: میں اپنے ایک مقالے میں اس کتاب میں موجود لغویات پر نکتہ چینی کر چکا ہوں۔ مترجم اس کتاب میں خود ہی اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس مقدس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہے۔ جب میرا تنقیدی مضمون شائع ہوا تو اس نے میرے

اوپر گالیوں کی بوچھار کردی۔ درحقیقت یہ سب کچھ قرآن کریم کے ترجمہ کے سلسلے میں موجود بے سروسامانی کا نتیجہ ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں نظم وانتظام کی باقاعدہ ضرورت ہے۔

راہ اسلام : یہ نظم وانتظام کس ادارہ یا تنظیم کی ذمہ داری ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جنہیں اس تنظیم کا رکن بنانا چاہئے؟ اور کیا ہر مترجم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس تنظیم کے سامنے اپنا موقف پیش کرسکے؟

صالحی صاحب : ہر شخص اپنی بات کہنے کے لئے پوری طرح آزاد ہے لیکن اسے قرآن مجید کا غلط ترجمہ شائع کرنے کی آزادی نہ حاصل ہونی چاہئے بلکہ میرا خیال ہے کہ ترجمہ کے محدود نسخے شائع کئے جائیں اور انہیں مخصوص افراد کے حوالے کردیا جائے اور جب نسخے کی مکمل اصلاح ہو جائے تو پھر اس کی زیادہ تعداد میں اشاعت کی جائے۔

خرم شاہی صاحب : میرا خیال ہے کہ اس کام کے لئے ایک ثقافتی تنظیم کی تشکیل لازمی ہے۔

صالحی صاحب : میرا بھی یہی خیال ہے کہ قرآنی محققین وماہرین پر مشتمل ایک ثقافتی تنظیم قائم کی جائے اور اس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین مثلاً زبان شناس، ماہر علوم سماجیات، تاریخ داں، ماہر علم اصول وفقہ وغیرہ شامل ہوں۔ جب یہ تنظیم کسی ترجمہ کی تائید کردے تب ہی اس کو شائع کیا جائے۔

خرم شاہی صاحب: قرآن مجید میں زیر زبر کے لئے اس قدر حساسیت پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ تو اس پر لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کے سلسلے میں اتنی حساسیت نظر نہیں آتی۔ آخر یہ بات کیسے تسلیم کرلی جائے

حوالے کردیا جائے جو اس کی حرمت سے بھی ناواقف ہیں۔

راہ اسلام : خرم شاہی صاحب! میرا خیال ہے کہ اب ہم لوگ اپنے اصل موضوع گفتگو یعنی جدید ترجموں کی ضرورت کی طرف واپس آجائیں۔

خرم شاہی صاحب : میرا اعتقاد وایمان یہ ہے کہ اگر کوئی آئے اور یہ کہے کہ میں نے سابقہ مترجمین سے زیادہ غور فکر کے ساتھ ترجمہ کیا ہے تو صرف اس بنیاد پر کہ ہمارے پاس ترجمہ کی کثرت وفراوانی ہے اس کی بات کو رد نہ کر دینا چاہئے اس کے علاوہ میں اپنی پہلی بات کو بڑی تاکید کے ساتھ پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ترجمہ معیاری نہیں ہے تو بازار میں اس کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ سماج نامناسب اور غیر معیاری ترجموں کو ہرگز قبول نہیں کرتا ہے پھر بھی یہ کافی نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ ایک مستحسن قدم اٹھایا گیا ہے کہ نامناسب اور غیر اخلاقی کتابوں کی اشاعت کی اجازت نہیں دی جاتی ہے بالکل اسی طرح پہلی فرصت میں ایسی کتابوں کی اشاعت پر فوری پابندی کی ضرورت ہے جس میں ترجمہ کے قالب میں خداوند عالم کی اہانت کی گئی ہو اور اس کے ساتھ ہی اگر ترجمہ قرآن پر کڑی نگرانی رکھنے والی تنظیم کی تشکیل عمل میں آئی ہے تو اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ باصلاحیت افراد کی حوصلہ شکنی بھی نہ ہونے پائے۔

نقدی صاحب: قرآن مجید غیر معمولی عظمت کی حامل کتاب ہے لہٰذا اس کتاب کے ترجمے کتنے زیادہ کیوں نہ ہوئے ہوں۔ مزید ترجمہ کی گنجائش باقی ہے۔ سابق وزیر ارشاد کے دور اقتدار میں ہمارے مرکز کے پاس ایک تجویز بھیجی گئی تھی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ترجمہ کے کام میں موجود کوتاہیوں کو دور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف علوم وفنون

میں مہارت رکھنے والے افراد ایک جگہ پر جمع ہو کر مجوزہ ترجمہ کے اصل مسودہ کا جائزہ لیں۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ہم نے ابتدائی معیار قائم کئے تاکہ اس میں کسی قسم کا کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا تھا کہ ترجمہ دور حاضر میں رائج طرز نگارش کے مطابق لکھا جائے۔ اس کے بعد ماہرین کے حوالے کر دیا جائے اور وہ باقاعدہ تجزیہ کرنے کے بعد مترجم کو بلا کر تجزیہ کے دوران ملنے والی خرابیوں اور کوتاہیوں کے سلسلے میں اس سے گفتگو کریں۔ ممکن ہے کہ بعض چیزیں مترجم کی وضاحت سے درست ہو جائیں اور بعض مترجم کے ذریعہ کی جانے والی لازمی اصلاح سے مذکورہ خرابی و کوتاہی دور ہو جائے۔

راہ اسلام: صالحی صاحب! متعدد اور مختلف النوع ترجموں کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

صالحی صاحب: جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا گیا تھا متعدد اور مختلف النوع ترجمہ کو اسراف نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن بنیادی شرط یہ ہے کہ مذکورہ ترجمہ پہلے کئے گئے کسی ترجمہ کی نقل نہ ہو اور ادھر حال میں شائع ہونے والے ترجموں جیسا نہ ہو۔ البتہ بعض مترجم حضرات جیسے خرم شاہی صاحب وغیرہ نے اپنے ترجمہ میں تحقیق، نکتہ دانی، نکتہ بینی اور دیگر تمام معیاری اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ جدید ترجمے بھی غنیمت ہیں اور ہمیں ان کا استقبال کرنا چاہئے۔ لیکن ایسے ترجموں کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی جو گذشتہ دور میں کئے گئے ترجموں سے نقل کئے گئے ہوں اور جن میں کسی قسم کا کوئی اضافہ بھی نہ کیا گیا ہو۔

اس کے برعکس اچھے ترجمے بھی دکھائی دیتے ہیں اور حال ہی میں شائع ہوئے

بعض ترجموں میں مختلف شعبوں میں نئی باتیں بھی دکھائی دیتی ہیں اور یہ بات بہت غنیمت ہے۔ اگر ہم جدید ترجموں کی حمایت وطرفداری کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ فقط ترجموں کی تعداد میں اضافہ کے خواہاں ہیں بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجموں کا معیار بلند ہو تاکہ موجودہ ترقی یافتہ معاشرہ کی ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔ دوسرا مسئلہ زبان میں رونما ہونے والی تبدیلی کا ہے۔ زبان میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور آئے دن نئے الفاظ کی ایجاد ہوتی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ گذر جانے کے بعد نئے ترجموں کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض الفاظ اصطلاحات معاشرہ بناتا ہے اور بعض خود مترجمین ایجاد کرتے ہیں۔

راہ اسلام : ایسا لگتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے جو ترجمے کئے جاتے ہیں انمیں خرابیوں اور کوتاہیوں کے امکانات کم رہ جاتے ہیں۔ انجیل کے ترجمہ کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ مترجمین کی ایک جماعت باہمی تعاون سے یہ کام انجام دیتی ہے لیکن ابھی ایران میں یہ روش رائج نہیں ہے اور ہم لوگوں کو اس راہ میں موجود رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اس میدان میں عملی قدم اٹھانا ہے اور اس کام کی شروعات کرنی ہے اگر ہم نے قم میں ایک مرکز کی تشکیل کے ذریعہ اس کام میں کسی حد تک سرگرمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنا نظریہ کسی پر مسلط کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو مدد و تعاون ہے اور ہم ماہرین کی خصوصی مہارت سے بھرپور استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو اس گرہ خوردہ روش کو سلجھانا ہے۔ قرآن عظیم ہے اور اس کا ترجمہ بھی عظیم ہے فقط ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف راہ و روش کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف سن و سال اور سواد و صلاحیت والے لوگوں کے لئے یہ کام انجام دیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے لئے

زیادہ سے زیادہ وسائل امکانات فراہم کئے جائیں۔

راہ اسلام: زبان شناسی اور لسانیاتی نقطۂ نظر سے قرآن مجید کے ترجموں کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے؟

صالحی: معنی و صدا و ساخت تینوں نمونوں کی بنیاد پر یہ کہنا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ دیگر متون کے ترجموں کے مقابلے میں قرآن کا ترجمہ مشکل ہے۔ مکی سورتیں مدینہ میں نازل ہونے والی آیتوں اور سورتوں کے مقابلے میں زیادہ ادبی معلوم ہوتی ہیں اور اکثر اوقات تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ترجمہ ممکن ہی نہیں ہے۔

الفاظ کے ایسے جوڑے، جن میں فقط ایک صدا کا فرق ہوتا ہے، حسن عبارت کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً اس مصرعے میں دیکھئے "جبین و چہرۂ حافظ خدا جدا مکناد" خدا اور جدا صوتی اعتبار سے مصرع کو بیحد دلکش بنادیتے ہیں لیکن ترجمہ میں اس کا حسن باقی نہیں رہ جاتا۔ قرآن مجید میں ایسے جڑواالفاظ کی بھرمار ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ترجمہ میں وہ حسن و دلکشی ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو ایک عجیب روحانی لذت محسوس ہوتی ہے لیکن قرآنی آیات کا ترجمہ پڑھتے وقت وہ لذت باقی نہیں رہ جاتی اور اس کی یہ وجہ نہیں ہوتی کہ ترجمہ کرتے وقت مترجم نے کوتاہی ولاپرواہی کی ہے بلکہ یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کا ترجمہ کرتے وقت حسن کلام اور قرآنی متن میں موجود نشیب و فراز کو محفوظ رکھا جاسکے۔ بہرحال ترجمہ بشری کلام ہے اس کی رسائی کلام الٰہی تک کیسے ہوسکتی ہے۔

پس اس حقیقت کا اعتراف لازمی ہے کہ قرآنی شکل و مفاہیم کا دوسری زبان میں منتقل کیا جانا ایک ناممکن امر ہے اسی وجہ سے میرا یہ خیال ہے کہ ترجمۂ قرآن کے لئے

کسی دوسرے لفظ کا استعمال کیا جانا چاہئے۔

راہ اسلام : آخر کلام میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے کہ تمام مصروفیات کے باوجود آپ نے اس مباحثہ میں شرکت کی زحمت گوارا فرمائی۔

والسّلام

◆◆◆◆◆◆◆

پیام تبریک

اسوۂ انسانیت، معلم بشریت، رحمت اللعالمین، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر "فصلنامہ راہ اسلام" تمام مسلمانوں کی خدمت میں پر خلوص مبارکباد پیش کرتا ہے اور اس پر برکت ماحول میں بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہے کہ مسلمانوں کو بالخصوص افغانی اور فلسطینی مسلمان بھائیوں کو باہمی اتحاد اور اخوت و برادری کی توفیق عطا فرمائے تاکہ پرچم اسلام کو عظمت و سربلندی حاصل ہو جائے۔